© rasailojaraid.com

غلام مصطفیٰ قاسمی

شذرات

امام عبید اللہ سندھیؒ کے مایۂ ناز شاگرد علامہ موسیٰ جار اللہؒ امام صاحب کی املائی تفسیر الھام الرحمان فی تفسیر القرآن (عربی) کے مقدمہ میں حمد و صلوٰۃ کے بعد فرماتے ہیں۔

امابعد! تحقیق اللہ جلّ جلالہ و جمل جمالہ و عمّ کلّ احد نوالہ نے میری رہنمائی اس طرف فرمائی کہ میں اپنی پوری زندگی قرآن کریم حاصل کرنے کی راہ میں اور اس کے علوم حاصل کرنے کی راہ میں وقف کر دوں۔ الحمدللہ الذی ھدانا لھٰذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ.

چنانچہ میں نے قرآن کریم حاصل کیا اور ہر وہ علم بھی حاصل کیا جسے اسلاف نے علومِ قرآن میں مدوّن فرمایا ہے اور عام علوم میں سے ہر وہ علم حاصل کیا جس کی انسان کو قرآن کریم کا بیان سمجھنے میں ضرورت پڑتی ہے اور میں جتنا حاصل کرنے میں کوشش کرتا تھا، اللہ جلّ جلالہ میرے میں قرآن کریم کا شوق و رغبت بڑھاتے جاتے تھے اور چونکہ ہمارے مدارس کے نظام میں مطلوب علم حاصل کرنا اساتذہ سے سیکھنے اور کتب سے اخذ کرنے کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ کائناتِ کبیر کے نشانات میں غور کرنے سے اور نہ ہی قرآن کریم کی آیات میں غور و فکر کرنے سے اور نہ ہی طالب علم کے مستحضر (ذہن میں حاضر) معلومات سے ایسے مطلوب کی طرف انتقال کرنے سے جس کے حاصل کرنے کے لئے طالب کوشاں ہے۔ (یہ نظامِ حفظ و اخذ ہے نہ کہ نظامِ کشف و نظر و مجاہدہ) تو میں بھی دیگر طلبہ کی طرح مطالعہ اور مشائخ و کتب سے اخذ کرنے کی راہ چلا اور مطبوعہ تمام تفاسیر یا اکثر کو میں نے پڑھا اور بہت ساری ایسی تفاسیر کا میں نے مطالعہ کیا جو کہ کتبخانوں (لائبریریوں) میں محفوظ ہیں، جن میں سے بعض طبع شدہ ہیں اور بعض غیر مطبوع ہیں، جیسے کتاب البصائر قاموس والے کی اور جیسے امام بقاعی کی نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور لیکن میں تفاسیر کی کثرت میں افادہ کی کثرت نہیں پاتا تھا اور نہ ہی تشریح کی زیادتی بلکہ صرف نقل در نقل اور تکرار و اختصار ہوتا ہے، جن میں قلمیں تو تھک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چکی ہیں لیکن فکریں نہیں تھکیں۔

اور جب میں ۱۳۵۶ھ۔ ۱۹۳۷ء میں نجد و یمن کی سیاحت کی غرض سے حرم شریف مکہ گیا تو امام عبید اللہ ابن اسلام سندھیؒ کو پایا، اللہ اس کی حیاتی اور افادات کی برکات سے طلبۂ اسلام اور اساتذۂ ہند کو بہرہ ور فرمائے۔

استاذ صاحب مجھے اس سے پہلے جانتے تھے اور میں انہیں جانتا تھا، میں نے آپ کو فرصت میں پایا، آپ کے ہاں اِکے دُکے کے علاوہ کوئی حاضر نہیں ہوتا تھا اور وہ بھی استفادہ کے لئے نہیں بلکہ جو بھی آتا محض تبرک کی خاطر جیسے لوگوں کی عادت ہے اور امام سندھیؒ نے اپنی پوری زندگی قرآن کریم اور اس کے فلسفہ کے لئے وقف کر رکھی تھی اور فلسفہ کی معرفت انہیں کماحقہ تھی اور آپؒ قرآن کریم کی تفسیر امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ والے کے اصولِ فلسفہ پر کرتے تھے اور آپؒ شاہ صاحب کے فلسفہ کی تحصیل اور اس کی تشریح میں چند سال لگے رہے یہاں تک کہ آپؒ نے اسے مستحکم طور پر حاصل کر لیا اور اسے دیگر فلاسفہ کے تمام فلسفوں پر ترجیح دی پھر امام ولی اللہ کے فلسفہ پر پورے قرآن کریم کی تفسیر کی بنیاد رکھی۔

اور آپؒ امام صاحب کے ایسے معتقد تھے کہ میں نے کسی کو بھی نہیں دیکھا جو ائمۂ امتؒ میں سے کسی امام کے بارے میں ایسی عقیدت رکھتا ہو' اور اس نوعیت کی عقیدت بڑا ادب ہے جسے میں اچھا سمجھتا ہوں بلکہ مناسب ہے کہ عالِم کا اپنے امام کے لئے احترام ایسے ہی ہو جیسے صحابۂ کرام کا احترام تھا سید الانبیاء نبی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم کیلئے۔

اور میں پہلے ہی امام ولی اللہ کی کتابوں میں سے ان کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ اور ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء پڑھ چکا تھا اور میں نے علمائے اسلام کی کتابوں میں ان دونوں کی نظیر نہیں دیکھی اور میں نے آپؒ کی ان دو کتابوں سے وسیع تر استفادہ کیا، پھر امام سندھیؒ کے ہاں امام ولی اللہؒ کی کتابوں میں سے (۱) الخیر الکثیر (۲) البدور البازغۃ (۳) کتاب السطعات (۴) الطاف القدس (۵) تاویل الاحادیث پڑھیں اور تفہیماتِ الٰہیہ کا میں نے خود مطالعہ کیا اور آپؒ کے ہاں کتاب العبقات پڑھی اور جب مجھے امام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ولی اللہؒ کے فلسفہ سے کچھ (شُدبُد) حاصل ہوا تو میں نے مزید (حاصل کرنے) کا شوق کیا اور اپنا شوق مولانا استاذ امام سندھیؒ کے سامنے پیش کیا تو آپؒ خوش ہوئے اور میرے شوق سے زیادہ شوق کا اظہار فرمایا۔

چنانچہ ہم نے بسم اللہ کی اور قرآن کریم کی تفسیر شروع کی امام ولی اللہ کے اصولِ فلسفہ پر، روزانہ سورج طلوع ہونے کے بعد سے لیکر ظہر کی نماز تک یا عصر کی نماز تک، آپؒ اپنی عربی زبان میں لکھواتے تھے اور میں لکھتا تھا، میری کوشش ہوتی تھی کہ مجھ سے کوئی حرف اور کوئی کلمہ نہ چوکے، چنانچہ میں نے ایک سو پچاس دن کی مدت میں دو ہزار چار سو صفحات کی کاپی لکھی۔ اِسی (تفسیر والی) کاپی کی صفحات کے سائز میں (۱۸ جمادی الاولیٰ بروز پیر ۱۳۵۶ھ سے ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ تک، ۲۶ جولائی ۱۹۳۷ء سے ۱۳ جنوری ۱۹۳۸ء تک)

استاذ سندھیؒ تھکتے نہیں تھے اور لکھنے سننے سے میرے نشاط میں اضافہ ہوتا تھا، اگرچہ میں سخت بیمار (بھی) تھا۔ درس کے اختتام پر میں نے امام سندھیؒ کا دل و زبان سے شکریہ ادا کیا اور امامؒ نے میرے شکریہ سے کہیں زیادہ، ہزار مرتبہ بلکہ اس سے بھی زیادہ میرا شکریہ ادا کیا اپنے کرم کی بناء پر اور میرے ثابت قدمی، نشاط اور سخت محنت کو دیکھ کر اور یہ دیکھتے ہوئے کہ میں نے ان کی تمام امالی کو مکمّل اہتمام کے ساتھ لکھا اور ضبط کیا اور امام سندھیؒ جملے معترضے بہت بتاتے تھے اور فرماتے "جملہ معترضہ ہے" تو میں جملہ معترضہ لکھتا اور یہ (معترضہ جملے) چھوٹی یا لمبی فصلوں کے برابر ہوتے اور امام صاحب کی طرف سے ایسا کرنا فوائد کو یکجا کرنے کے لئے ہوتا تھا اور مجھے یہ طریقہ اچھا لگتا تھا، آپؒ ان معترضہ جملوں میں حکایات، لطائف اور نوادرات بیان فرماتے جن میں اہمیت کے حامل فوائد ہوتے اور جب مناسبت ظاہر ہوتی اور وقت ہوتا تو اپنی سیاسی آراء کا اظہار ایسی زبان سے کرتے جس سے میں سمجھ جاتا کہ یہ امانت ہے لیکن جب سیاست اور امورِ اجتماعیہ میں اسلامی تعلیمات کو بیان فرماتے تو وضاحت کے ساتھ صراحۃً قطعی طور پر بیان فرماتے، اس میں نہ تو ڈرتے اور نہ مدارات رکھتے اور نہ مداہنت سے کام لیتے۔ ______ موسیٰ جارُ اللہ غفرَ لہٗ

© rasailojaraid.com